تحصیلِ صدقات پر کمیشن کی تنقیح

مولانا نفیس احمد مصباحی

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے چودھویں فقہی سیمینار میں چار موضوعات میں سے دوسرا موضوع ہے۔ ''تحصیلِ صدقات پر کمیشن کی تنقیح''۔ اس موضوع سے متعلق سوال نامے کی ترتیب کا کام محققِ مسائلِ جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ، ناظم مجلس شرعی وصدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ نے انجام دیا۔ سوال نامے کے ساتھ موضوع سے متعلق ایک اہم گراں قدر تحقیقی مقالہ بھی منسلک ہے جسے حضرت موصوف ہی نے کئی سال پہلے سپردِ قلم فرمایا تھا۔ اس میں ''ایک ضروری گزارش'' کے عنوان کے تحت مندوبین کرام سے یہ گزارش بھی کی گئی ہے:

> ''اگر اس مقالے میں درج احکام، جزئیات، تنقیح، توجیہ، حل میں سے کسی سے آپ کو اختلاف ہے تو اسے اپنی دلیل کے ساتھ مفصل ذکر کریں یا کوئی مقام تشنہ یا تنقیح طلب ہے تو تفصیل وتنقیح فرمائیں اور جن امور سے اتفاق ہو انہیں اختصار کے ساتھ اپنے جوابات میں ذکر فرمادیں۔ بحث کی حاجت نہیں، مضمون میں درج جزئیات کی طرف صرف اشارہ کافی ہے۔''

اس موضوع سے متعلق مختلف مقامات سے اڑتیس علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کے چھتیس مقالات صدر مجلس شرعی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کو موصول ہوئے جن میں کچھ مختصر، کچھ مفصل اور بیش تر متوسط ہیں۔ سوال نامے میں مقررہ موضوع سے متعلق پانچ بنیادی سوال کیے گئے ہیں۔ ان میں پہلا سوال یہ ہے:

سوال (۱): کمیشن پر چندے کا یہ معاملہ کس عقدِ شرعی کے تحت آتا ہے، اور سفرا کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جوابات سوال (۱)

اس سوال کے جواب میں مندوبینِ کرام کے دو موقف سامنے آئے:

(الف): کمیشن پر چندہ کا معاملہ ''عمالہ'' ہے اور سفرا کی حیثیت ''عامل'' کی ہے۔ یہ موقف مولانا

ابرار احمد اعظمی کا ہے۔ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''تحصیلِ زکوٰت کا باقاعدہ نظم و نسق دیکھنا، اس کی حصول یابی کے لئے عامل واجیر مقرر کرنا، اور زکوٰۃ سے فراہم شدہ اموال کو حق داروں پر تقسیم کرنا حاکمِ اسلام کا منصب ہے۔اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کو اجیر صدقات مقرر کرنے کا حق نہیں۔عہدِ رسالت سے عہدِ فاروقی تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ لیکن حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں عاملین میں حرص وطمع کی بو محسوس کی تو اموالِ باطنہ (یعنی سونا چاندی) اور عاشر کی نگہداشت سے باہر رہنے والے اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کو مستحقین پر تقسیم کرنے کا کام خود مالکانِ نصاب کے سپرد کر دیا۔مگر اموالِ ظاہرہ (یعنی چرائی کے جانوروں) کی زکوٰۃ، زکاۃ العشر اور عاشر کی نگہداشت میں رہنے والے اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کو وصول کرنے کا حق والیانِ اسلام ہی کو حاصل رہا اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ اگرچہ خود اربابِ نصاب تقسیم کیا کرتے تھے، مگر جبر واکراہ کے بغیر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ بھی وصول کرنے کا حق انہیں والیانِ اسلام کو رہا ہے۔''

اس مدعا کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے عنایہ شرح ہدایہ (ج ۲/ص ۱۱۹) شرح نقایہ للملا علی القاری (ج ۱/ص ۱۴۶) کی یہ عبارت پیش کی ہے:

> ''حق الأخذ كان للإمام في الأموال الظاهرة والباطنة، لظاهر قوله تعالىٰ: ''خذ من أموالهم صدقة تطهرهم''. وعلىٰ هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ولخليفتان بعده، فلما ولى عثمان و ظهر تغير الناس كره أن يفتش العمال مستور أموال الناس، ففوض الأموال الباطنة إلىٰ أربابها نيابتاً عنه خوفًا عليهم من السُعاه السوء ولم يختلف عليه الصحابة وهذا لا يسقط طلب الإمام اصلاً ومن ثم لو علم ان أهل بلدة لا يؤدونها طالبهم بها۔اھ''

اسی طرح التعریفات الفقھیة (ص ۱۹۲)، بدائع الصنائع (ج ۲/ص ۸۵) نبراس و شرح عقائد (ص ۳۱۰) اور فتح الباری شرح البخاری (ج ۳،ص ۲۸۴) کی عبارتیں بھی اپنے اس مدعا کے اثبات میں پیش کی ہیں۔

☆ الاجر والضمان لایجتمعان ☆ اجرت اور ضمانت ایک ہی شی میں جمع نہیں ہوسکتیں ☆

پھر آگے لکھا ہے: ''ہندوستان میں نہ تو مملکت اسلامیہ ہے اور نہ ہی سلطان اسلام جو تحصیل زکوٰۃ کے نظم ونسق کو باضابطہ انجام دے، اور تحصیلِ صدقات کا سہارا لئے بغیر دینی مدارس کی حفظ و بقا ناممکن۔ اس لئے بہ وجہ ضرورت اور بہ درجۂ مجبوری دینی مدارس کی انتظامیہ نے تحصیلِ صدقات کا سہارا لیا اور اس کے لئے سفراو محصلین مقرر کئے اور جب کوئی سلطان اور قاضی مولی من جهة السلطان موجود نہیں ہوتا تو اس کا قائم مقام ''جماعۃ المسلمین'' کو ٹھہرا کر دینی ضروری امر کو انجام دے لیا جاتا ہے۔''

اس کے لئے انہوں نے درج ذیل جزئیات سے خاص طور پر استدلال کیا ہے:

- أما فی بلادٍ علیها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد، ويصير القاضی قاضيا بتراضی المسلمين۔
(ردالمحتار، ج ۳،ص ۲۷۷)
- شرط لهلال الفطر شروط الشهادة إلا إذا كانوا فی بلد لا حاكم فيها فانهم يصومون بقول ثقة ويفطرون بقول عدلين للضرورة۔
(تنبیہ الغافلین والوسنان،ص ۲۱۲)
- أهل مسجد باعوا نقض المسجد اذاستغنی عنه المسجد عن ذالک قالوا إن فعلوا ذالک بامر القاضی جاز، وان فعلوا بغير امره، الصحيح انه لا يجوز الا ان يكون فی موضع لم يكن هناک قاض۔ (فتاویٰ خانیہ مع ہندیہ، ج ۳،ص ۳۱۲)
- ثم أنت خبير أنهم ربما اقاموا جماعة المسلمين مقام القاضی حيث لا قاضی۔ (جدالممتار،۲/۱۴۶)

مدارس کی انتظامیہ بہرحال اتنے افراد پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں جماعۃ المسلمین یا جماعۃ المسلمین کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں بر بنائے ضرورت اور بہ وجہ تعامل، جماعۃ المسلمین پر مشتمل دینی مدارس کی منتظمہ کو حاکم شرع کا قائم مقام ٹھہراتے ہوئے اسے تحصیلِ صدقات پر حق ولایت ثابت ہونا چاہئے۔

(ب): دوسرا موقف بقیہ تمام مندوبین کرام وعلمائے کرام کا ہے، وہ یہ کہ یہ عقد، عقدِ اجارہ ہے اور

☆الايمان مبنية على الالفاظ لا على الاغراض ☆قسم کا دارومدار الفاظ پر ہوتا ہے اغراض پر نہیں

ماہانہ تنخواہ پر چندہ کرنے والے سفرا ''اجیرِ خاص'' اور کمیشن پر چندہ کرنے والے ''اجیر مشترک'' ہیں۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اجارہ میں (۱) یا تو کسی کے مکان، دکان، زمین، سامان وغیرہ سے نفع اٹھانے کا کرایہ دیا جاتا ہے۔ (۲) یا کوئی کام کرنے، کرانے پر مزدوری دی جاتی ہے اور دونوں پر ہی اجارے کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں چندہ کرنے پر سفیر کو مزدوری دی جاتی ہے اس لئے یہ بھی ''اجارہ'' ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ اجارہ کی نوعِ دوم ''اجارہ علی العمل'' سے ہے۔

- فتاویٰ ہندیہ کتاب الاجارہ میں ہے:

انها نوعان، نوع يرد على منافع الاعيان، كاستئجار الدور والاراضي والدواب وما اشبه ذلك، ونوع يرد على العمل، كاستئجار المحترفين للاعمال كالقصارة والخياطة والكتابة وما اشبه ذلك، كذا في المحيط"۔

(ج ۴، ص ۴۱۱، الباب الاول في تفسير الاجارة و بيان انواعها)

- ہدایہ میں ہے:

وربما يقال : الإجارة قد يكون عقداً على العمل، كلاستئجار القصار والخياط ولا بد ان يكون العمل معلوما، وذلك في الاجير المشترك، وقد يكون عقداً على المنفعة، كذا في اجير الوحد ولا بد من بيان الوقت۔

(ج ۳، ص ۲۹۴، كتاب الاجاره، قبيل باب الاجرمتى يستحق)

اسی طرح درِ مختار، بدائع الصنائع، البحر الرائق، جوہرہ نیرہ، فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت وغیرہ متعدد فقہی کتابوں کی عبارتوں سے استدلال کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل ناظم مجلس شرعی علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مدظلہ کے قدیم مقالہ کے ابتدائی دو صفحات میں موجود ہے۔ یہ مقالہ سوال نامہ کے ساتھ منسلک ہے۔

☆تخصيص العام بالنية مقبولة ديانة لا قضاء ☆

جوابات سوال (۲)

دوسرا سوال یہ ہے: کیا آج کے دور میں ضرورت شرعیہ محقق ہو چکی ہے جس کی بناء پر قفیز طحان کی صورت مباح ہو جائے؟

اس سوال کے جواب میں علمائے کرام کے درج ذیل دو موقف سامنے آئے:

پہلا موقف:

یہ ہے کہ ضرورتِ شرعیہ متحقق ہو چکی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ''آج کے دور میں کمیشن پر چندہ کا دروازہ بند کر دیا جائے تو یقیناً دینی مدارس کی ترقی و بقا خطرے میں پڑ جائے گی، اس لئے اب ضرورتِ شرعیہ متحقق ہو چکی ہے کہ کمیشن پر چندہ کے جواز کا قول کیا جائے۔''

مولانا قاضی فضل احمد مصباحی نے فتاویٰ امجدیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی استدلال کیا ہے:

> ''صدقۂ فطر و زکوٰۃ نہ تعمیر مدرسہ میں صرف کی جا سکتی ہے نہ تنخواہِ مدرسین میں، یہ صرف فقرا اور مساکین کا اور ان لوگوں کا حق ہے جن کو قرآن پاک میں ذکر فرمایا۔ مگر اس قسم کی مدوں کو نکال دیا جائے تو مدرسہ کی آمدنی اس زمانہ میں اتنی کم رہ جائے گی، جس سے اس کا چلنا دشوار ہو جائے گا اور تحصیلِ علم کا دروازہ بند ہوتا نظر آئے گا۔'' الخ (فتاویٰ امجدیہ، ج۱، ص۳۷۶)

مگر اس کے ساتھ ہی بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب کتب فقہیہ میں قفیز طحان سے بچنے کے حیلے موجود ہیں تو انہیں پر عمل کرنا انسب واحوط ہے۔

دوسرا موقف:

یہ ہے کہ ایسی ضرورت شرعیہ متحقق نہیں کہ جس کی بناء پر قفیز طحان کی صورت کو جائز کیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ فقہی کتابوں میں قفیز طحان سے بچنے کی صورتیں اور حیلے مذکور ہیں جن کو اختیار کر کے کمیشن کے معاملے میں اس ممنوع صورت سے بچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت امام رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''ضرورت'' کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

☆عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃ مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاءً☆

''فعل اگر دین، جان، عقل، نسب، مال میں سے کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ فوت یا قریب فوت ہو تو یہ مرتبۂ ضرورت ہے، جیسے دین کے لئے تعلیم ایمانیات و فرائضِ عین، عقل و نسب کے لئے ترکِ خمر و زنا، نفس کے لئے اکل و شرب، مال کے لئے کسب و دفعِ غصب، وامثالِ ذالک۔

(فتاویٰ رضویہ دہم نصف آخر، ص ۱۹۹)

اس تعریف سے بہ خوبی عیاں ہے کہ ثبوتِ ضرورتِ شرعیہ کے لئے اس فعل کا کلیاتِ خمسہ میں سے کسی ایک کے لئے موقوف علیہ ہونا ضروری ہے، اور مسئلہ دائرہ میں ایسا نہیں ہے کہ اگر سفرا کو خود انہیں کے وصول کردہ اموالِ زکوٰۃ میں سے متعین فی صد بہ طور حق المحنت نہ دیا جائے تو مدارس بند ہو جائیں گے اور دین کا ضیاع لازم آئے گا، کیونکہ یہاں یہ ممکن ہے کہ دوسرے اموال سے انہیں ان کی محنت کا معاوضہ دیا جائے۔

مفتی حبیب اللہ مصباحی صاحب کے الفاظ یہ ہیں: ''ایسی ضرورت اس زمانے میں ضرور محقق ہے، جس کی بناء پر کمیشن دے کر چندہ کروایا جائے، مگر کمیشن دینے میں وہی طریقہ اپنایا جائے جو شرعاً ناجائز نہ ہو بلکہ جائز ہو، جیسا کہ حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی نے سوال نامہ (سے منسلک مقالہ) میں تحریر فرمایا ہے۔'' (مقالۂ مذکورہ، ص ۲)

مولانا نصر اللہ صاحب رضوی نے اپنے مقالہ میں ضرورتِ شرعیہ کے ساتھ حاجتِ شرعیہ کے تحقق کی بھی نفی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''ہمارے فقہائے کرام نے اس سے بچنے کی صورتیں تحریر فرما دی ہیں تو اب بغیر اس خبث کی آلودگی کے چندہ کرایا جا سکتا ہے تو اب قفیز طحان کو مباح ماننے کے لئے ضرورت و حاجت شرعیہ کا تحقق نہ ہوا۔'' (مقالہ مولانا نصر اللہ رضوی، ص ۲)

جبکہ ناظمِ مجلس شرعی مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب اپنے جدید مقالہ میں فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری علیہ الرحمۃ والرضوان ضرورت کے تحقق کا انکار فرماتے تھے۔ بعض اکابر مفتیانِ کرام سے ہم نے گفتگو کی تو انہوں نے بھی ضرورت کا انکار فرمایا۔ خود راقم الحروف کا مؤقف یہی ہے کہ ضرورت نہ پہلے تھی، نہ اب ہے۔ کیونکہ ضرورت کا مطلب ہے کہ چندہ کمیشن پر نہ کرایا جائے تو مدرسہ بند ہو جائے یا بند ہونے کے قریب

پہنچ جائے۔ یعنی جاں کنی کی حالت میں ہو جائے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ عطیات کی خطیر رقم تو یوں جمع ہو جاتی ہے کہ اس پر شاید و باید کچھ صرفہ آئے۔ اس میں منی آرڈر، چیک، چرم قربانی اور مخلصین کے ذریعہ وصول ہونے والی رقوم شامل ہیں۔ کرایۂ املاک، چنگی اور تنخواہ دار (محصل) کے ذریعہ وصول ہونے والا چندہ بھی مناسب مقدار میں جمع ہو جاتا ہے، اور اب تو بہت سے اساتذہ و ملازمین کی تنخواہ کا بارِ گراں حکومت نے اٹھا لیا ہے۔ پھر جو لوگ کمیشن پر وصولی کرتے ہیں انہیں اگر دینی ضرورتوں اور خوفِ خدا کا احساس دلا کر تنخواہ پر بھیجا جائے تو ان کی جدوجہد سے بھی ایک خطیر رقم جمع ہوگی۔ گو کمیشن کی بہ نسبت کم ہوگی، تو یہ تمام رقوم کفایت شعاری سے مدرسہ چلانے کے لئے کافی ہوگی۔ اس لئے ضرورتِ شرعیہ کا تحقق تو یقیناً نہیں ہے..... بلکہ حاجت شرعیہ پائی جاتی ہے، کیونکہ حاجت کا مطلب یہ ہے کہ مدرسہ چل تو سکتا ہے مگر اس کے لئے مشقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسے گھر میں روشنی نہ ہو تو رات گزر سکتی ہے مگر وہ رات حرج و مشقت کی رات ہوگی۔ اس لئے فقہاء نے چراغ کو حاجت سے شمار کیا ہے۔ حضرت شارحِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرجع خلائق تھے، کثرت سے آپ کے مدرسے کے لئے منی آرڈر آتے، پھر بھی آپ کا مدرسہ مقروض رہتا۔ ظاہر ہے کہ جس مدرسے کے لئے ایسے عظیم وسائل مہیا نہ ہوں وہ ضرور حرج و مشقت سے دوچار رہے گا..... اس لئے کمیشن پر چندہ کرانے کی حاجت شرعیہ پائی جاتی ہے جو باعث تخفیف ہے۔ کام اور اجرت کی مقدار کی جہالت کی وجہ سے جو شرعی محظور لازم آتا ہے وہ حاجت کی وجہ سے مباح ہو جاتا ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے دلال اور منادی اور حمام کے نگراں وغیرہ کے اجارے کو اسی طرح کی جہالت کے باوجود جائز قرار دیا ہے..... اور اب تو عامہ مدارس میں اس کا عرف و تعامل بھی ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس حیثیت سے بھی

کمیشن پر وصولی کا اجارہ جائز ہوگا، جیسے دلال کی اجرت اخراجات کا دس
فیصد مقرر ہوئی تو اصالۃً ناجائز ہے اور بہ وجہِ تعامل جائز ہے۔''
(مقالۂ جدید مفتی نظام الدین صاحب، ص ۳، ۴، ملخصًا)

تیسرا موقف:

یہ ہے کہ بعض مدارس میں ضرورتِ شرعیہ پائی جاتی ہے اور بعض میں نہیں پائی جاتی ہے۔ یہ موقف دو علمائے کرام کا ہے۔ (۱) مولانا محمد معین الدین مصباحی، فیض آباد۔ (۲) مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی، بریلی شریف۔

مولانا معین الدین صاحب لکھتے ہیں: ''چندہ کی وصولی کے بارے میں وہ حالات جو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے زمانے میں تھے وہ اب بھی ہیں کہ بعض بڑے مدارس جو بعض بڑی دینی شخصیتوں یا بڑی خانقاہ کے سجادگان کے زیر اثر چل رہے ہیں، جیسے بریلی، کچھوچھ اور مارہرہ وغیرہ میں اس زمانے میں بھی ضرورت شرعیہ محقق نہ تھی اور نہ اب ہے...... لیکن اب چند مشہور مدارس کے علاوہ بہت سے چھوٹے غیر معروف مدارس اس زمانے میں بھی مخمصہ کا شکار تھے، بغیر کمیشن چندہ کرائے ایک دن نہیں چل سکتے تھے۔ جبھی تو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے عہد میں بھی کچھ علماء کو ضرورت کے تحقق کا احساس ہونے لگا تھا۔'' (مقالہ مولانا معین الدین صاحب، ص ۱)

مولانا رفیق عالم مصباحی بغیر کمیشن چندہ وصول کرنے کی دو صورتیں لکھنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''آج بھی اگر کسی مدرسے کو چندے کی فراہمی ان ہی دو طریقوں سے ہو جائے اور مدرسے کے ضروری اخراجات اس سے پورے ہو جائیں تو ان کے لئے ضرورت کا تحقق نہ ہوگا اور کمیشن پر چندہ کرانا جائز نہ ہوگا۔''
(مقالہ مولانا رفیق عالم، ص ۲)

چوتھا موقف:

یہ ہے کہ چندہ کے کمیشن میں قفیز طحان کا معنی نہیں پایا جاتا۔

مولانا نظام الدین مصباحی لکھتے ہیں:

''کمیشن میں قفیز طحان کا ہونا قابلِ غور امر ہے۔ کیونکہ قفیز طحان کی جتنی

مثالیں عام طور پر ذکر کی جاتی ہیں، ان میں کسی شئے میں کام کرنے پر اسی میں سے ایک حصہ بطور اجرت دیا جانا طے ہوتا ہے، جس کی حوالگی پر بغیر اجیر کے تعاون کے مستاجر کو قدرت نہیں حاصل ہوتی ہے۔ اور طے شدہ اجرت کے تسلیم و حوالگی پر قدرت نہ ہونے کے باعث یہ اجارہ فاسد ہوتا ہے...... لیکن کمیشن والے مسئلے میں کام کرنے والے کے لئے لازم نہیں ہے کہ وہ وصولی کی رقم سے ہی اجرت دے۔ لہٰذا یہاں اجرت مقدور التسلیم ہے...... اور چونکہ عقود میں دراہم و دنانیر (اور ان ہی کے حکم میں ثمن اصطلاحی بھی ہے) متعین نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ جائز ہے کہ متعین درہم کے بدلے کوئی شئے خریدے یا کسی چیز کا اجارہ کرے اور متعین درہم نہ ادا کرے، دوسرا درہم ادا کرے۔ لہٰذا قفیز طحان کی علت حرمت یعنی اجرت کا مقدور التسلیم نہ ہونا کمیشن والی صورت میں محقق نہیں ہے تو اس کا قیاس قفیز طحان پر نہ ہوگا، کیونکہ یہاں اجرت پر دیا جانے والا روپیہ متعین کرنے سے بھی متعین نہ ہوگا۔" (مقالہ مولانا نظام الدین، ص ۱/۲، ملخصاً)

مولانا ناظم علی مصباحی رقم طراز ہیں:

جو سفرا مدارس میں کمیشن پر چندہ کرتے ہیں ان کی اجرت کی مقدار تو متعین ہوتی ہے کہ اتنا فیصد دیں گے، مثلاً ۲۰ فیصد، ۲۵ فیصد یا ۳۵ فیصد۔ مگر جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے محصلین اور اربابِ مدرسہ کے درمیان یہ معاہدہ نہیں ہوتا ہے کہ اجرت، خاص اسی رقم سے دیں گے جو لے کر آئے گا اور نہ ہی ایسا معروف و معہود ہوتا ہے اس لئے میرے علم میں "قفیز طحان" کا خبث یہاں موجود نہیں، کہ قفیز طحان کے لئے یہ ضروری ہے کہ اجرت اسی کے عمل سے دینا طے ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔"

(مقالہ مولانا محمد ناظم علی مصباحی، ص ۲)

پانچواں موقف:

یہ ہے کہ کمیشن پر چندہ کا معاملہ "عمالہ" ہے، سفرا کی حیثیت عامل کی ہے۔ قفیز الطحان کی

بحث میں پڑنے اور اس کے جواز کا حیلہ تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مؤقف مولانا ابرار احمد اعظمی کا ہے۔اس کی قدرے تفصیل سوال نمبر(۱) کے جواب میں گزر چکی ہے۔

جوابات سوال (۳)

تیسرا سوال یہ ہے: ''اور کیا بہرحال یہاں اس امر کی گنجائش ہے کہ اگر بوقت معاہدہ یہ صراحت کر دی جائے کہ اجرت وصول کی ہوئی رقم سے نہ دیں گے تو اجارہ جائز ہو جائے، گوکہ بعد میں اجرت اسی عطیہ کی رقم سے یا بعد حیلۂ شرعیہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کی رقم سے یا دوسرے کی وصول کردہ رقم سے یا ان کے سوا کسی اور رقم سے دی جائے؟''

پہلا مؤقف:

پہلا مؤقف یہ ہے کہ بوقت معاہدہ صراحت کے باوجود یہ اجارہ ناجائز ہے۔

یہ مؤقف مولانا محمد نظام الدین مصباحی (جمد اشاہی) کا ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ اس اجارہ میں بدلین (یعنی منافع اور اجرت) دونوں مجہول ہیں اور کسی ایک کی جہالت اجارہ کے ناجائز ہونے کے لئے کافی ہے تو دونوں کی جہالت بہ درجۂ اولیٰ۔

دوسرا مؤقف:

یہ ہے کہ یہ اجارہ جائز ہے اور اس صراحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مؤقف چار علمائے کرام کا ہے۔ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اجارہ کے جائز ہونے کے لئے اجرت کا طے ہونا کافی ہے، اور جب اجرت طے ہے تو اس صراحت کی کوئی ضرورت نہیں کہ ''اجرت وصول کی ہوئی رقم سے نہ دیں گے۔''

تیسرا مؤقف:

یہ ہے کہ اس اجارہ کے جواز کے لئے یہ صراحت کرنا ضروری ہے کہ اجرت وصول کی ہوئی رقم سے نہ دیں گے۔ یہ مؤقف دو علمائے کرام کا ہے۔(۱) مولانا نصراللہ رضوی (۲) قاضی شہید عالم رضوی۔

مولانا نصراللہ رضوی صاحب لکھتے ہیں: ''ہاں ہاں، اس کی گنجائش ہے...... بلکہ یہی وہ

صورت ہے جس پر عمل کر کے قفیز طحان سے بچا جا سکتا ہے اور اجارہ بھی جائز ہوگا۔"

(مقالہ مولانا نصر اللہ رضوی، ص ۳)

قاضی شہید عالم صاحب رقمطراز ہیں: "اجارہ کے وقت صرف شرحِ کمیشن مقرر کرنا کافی نہیں، بلکہ یہ صراحت ضروری ہے کہ اجرت وصول کردہ رقم سے نہ دی جائے گی۔"

(مقالہ قاضی صاحب، ص ۵)

چوتھا موقف:

یہ ہے کہ صراحت کی صورت میں یہ اجارہ بلاشبہ جائز ہے۔ یہ موقف بیش تر مندوبین کرام اور مقالہ نگار حضرات کا ہے۔

مفتی انفاس الحسن چشتی لکھتے ہیں: "صراحت کی صورت میں بہ درجۂ اولیٰ یہ صورت جائز ہوگی۔ چونکہ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سفرا سے کمیشن کا معاہدہ و معاملہ کرتے وقت تمام مدارس کی یہی نیت ہوتی ہے کہ وصول کردہ رقم سے کمیشن نہیں دیا جائے گا۔ لہٰذا مدارس کے ذمہ داران بہ وقت معاہدہ اس بات کی صراحت کا سختی سے اہتمام کریں، تاکہ قفیز طحان کے گناہ سے یقینی طور پر بچا جا سکے۔" (مقالہ مفتی انفاس الحسن، ص ۲)

جبکہ مفتی محمد نظام الدین رضوی (ناظمِ مجلسِ شرعی) لکھتے ہیں: "کمیشن پر چندہ کی وصولی کو قفیز طحان کے معنی محظور کے دائرہ میں آنے سے بچانے کے لئے اگر بہ وقت معاہدہ یہ صراحت کر دی جائے کہ "اجرت وصول کی ہوئی رقم سے نہ دیں گے" تو اجارہ بلا دغدغہ جائز و درست ہوگا اور بعد میں کسی بھی رقم سے اجرت دینی جائز ہوگی۔ یہ طریقہ اختلاف اور رد و قدح سے پاک ہے۔"

(مقالہ مفتی صاحب، ص ۸)

جوابات سوال (۴ الف)

چوتھے سوال کا پہلا جزء یہ ہے: "اگر قاضی شریعت یا اعلم علمائے بلد دیانت دار محصلین کو بہ حیثیت عامل مقرر کر دے تو کیا وہ "عامل شرعی" ہوں گے، جو مصارف زکوٰۃ سے ہیں؟"

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی درج ذیل رائیں ہیں:

☆ الضرر یزال ☆ضرر (نقصان) کا ازالہ کیا جائے گا☆

پہلی رائے:

یہ ہے کہ وہ عاملِ شرعی نہ ہوں گے جو مصارف زکوٰۃ سے ہیں۔ یہ رائے مندرجہ ذیل مقالہ نگار حضرات کی ہے۔ (۱) قاضی شہید عالم رضوی (۲) مولانا نصراللہ رضوی (۳) مولانا نظام الدین قادری مصباحی۔

ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عہدِ عثمانی ہی سے اموالِ باطنہ کی وصولی کا کام عاملین کے ذمہ سے ختم کر کے مالکانِ نصاب کے ذمہ کر دیا گیا اور اس پر صحابۂ کرام کا اجماع ہو چکا تو اس دور میں اموالِ باطنہ (سونا، چاندی اور ثمن اصطلاحی) کی وصولی کا حق عامل کو کیسے ہوگا؟ جب کہ موجودہ دور میں سفرا اموالِ باطنہ ہی کی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔

دوسری رائے:

یہ ہے کہ یہ کام نہایت پر پیچ اور دشوار ہے۔ یہ رائے ان حضرات کی ہے: (۱) مولانا رضاء الحق مصباحی (۲) مولانا محمد صادق مصباحی (۳) مفتی بدر عالم مصباحی (۴) مولانا محمد معین الدین اشرفی مصباحی (۵) مولانا نذر محمد قادری۔

ان میں مولانا رضاء الحق مصباحی نے اپنے مقالے کے ص ۲، ۳، ۴، پر اور مولانا محمد معین الدین اشرفی نے اپنے مقالے کے ص ۴ پر تفصیل کے ساتھ ان دشواریوں کا شمار کرایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابھی ہمارے ملک میں باضابطہ قضاۃ کا کوئی نظام نہیں، اور اس دورِ نفسانیت میں اعلم علمائے بلد کا تعین نہایت مشکل ہے، اور اگر باضابطہ نظامِ قضا کا وجود ہو بھی جائے یا اعلم علمائے بلد کی تعیین ہو جائے تب بھی مدارس کے لئے صدقات کی وصولی کی خاطر عامل مقرر کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد کرنا بہت سی خرابیوں کو دعوت دینا ہے۔

تیسری رائے:

یہ ہے کہ قاضی شرع یا اعلم علمائے بلد کے مقرر کردہ دیانت دار عامل "عاملِ شرعی" ہوں گے۔ یہ رائے بیش تر مقالہ نگاروں کی ہے۔ ان حضرت کی دلیل حدیقہ ندیہ کی یہ عبارت ہے:

"اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور مؤکلة الی العلماء

☆الضرر لا یزال بالضرر نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا☆

و یلزم الأمة الرجوع الیهم ویصیرون ولاة فاذا عسر جمعهم
علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع
أعلمهم فان استووا اقرع بینهم۔"

اس کی تفصیل حضرت مفتی نظام الدین رضوی مصباحی صاحب کے قدیم مقالہ میں ص ۷ پر ہے۔

چوتھی رائے:

یہ ہے کہ قاضی شریعت اور اعلم علمائے بلد ارباب ولایت سے ہیں، ان کی جانب سے مقرر کردہ عامل ضرور "عامل شرعی" ہوں گے۔ مگر جب دینی مدارس کی منتظمہ کا بہ وجہ ضرورت ارباب ولایت سے ہونا مسلم ہے، تو منتظمہ کے ذریعہ مقرر کردہ سفرا ہی کو "عامل شرعی" قرار دیا جائے گا۔ اعلم علمائے بلد کے ذریعہ الگ سے عامل مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ رائے مولانا ابرار احمد اعظمی کی ہے۔

جوابات سوال (۴ ب)

سوال نمبر (۴) کا دوسرا جز یہ تھا: "اگر جواب اثبات میں ہو تو سوال نمبر (۱) اور (۲) کے مطابق کمیشن کو مباح مان کر اس کو جاری رکھنا زیادہ مناسب ہوگا یا عامل کا تقرر کر کے اصل منصوص طریقے کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا؟"

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے مندرجہ ذیل مؤقف اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔

پہلا مؤقف:

یہ ہے کہ عامل کا تقرر کر کے اصل منصوص طریقے کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

دوسرا مؤقف:

یہ ہے کہ جہاں قاضی شرع دستیاب ہو اور عامل کے تقرر میں مشکلات نہ ہوں وہاں عامل کا تقرر کر کے اصل منصوص طریقہ کو اختیار کرنا زیادہ آسان اور مفید ہے اور جہاں قاضی شرع نہ ہو، یا عامل کے تقرر میں کوئی دشواری ہو وہاں کمیشن کو مباح مان کر اس کو جاری رکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔

تیسرا موقف:

یہ ہے کہ کمیشن کو مباح مان کر اسی کو جاری رکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ: ''چندہ کروانے میں کمیشن دینے اور لینے کا جو جائز ومباح طریقہ ہو اسی کو اس کے حال پر باقی رکھتے ہوئے جاری رکھا جائے اور اگر (اس میں) کچھ کمی اور نقص نظر آئے تو اس کی اصلاح کر دی جائے...... ہم لوگوں کو بھی چاہئے کہ (اپنے اسلاف کی) روش پر چلتے ہوئے عاملین کا تقرر نہ کریں تو زیادہ بہتر وانسب ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عاملین کے تقرر سے کوئی ایسا فساد وخرابی پیدا ہو جس کا تدارک نہ ہو سکے۔''

(مقالہ مفتی محمد حبیب اللہ مصباحی، ص ۳، ملخصاً)

ناظم مجلس شرعی مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب نے اپنے جدید مقالہ میں لکھا ہے: ''عامل کا تقرر کر کے اصل منصوص طریقے کو اختیار کرنا زیادہ مناسب تھا، مگر آج کے دور میں اس طریقۂ حسنہ کے نفاذ میں کچھ دشواریاں ہیں۔''

پھر آپ نے اس عمل میں دو پریشانیوں اور دشواریوں کا ذکر کیا ہے:

<u>ایک دشواری یہ ہے</u> کہ ہر علاقے میں ماہر فقیہ جو اعلم علمائے بلد اور مرجع فتویٰ ہو، موجود نہیں اور جہاں موجود ہیں وہاں بھی عموماً لامرکزیت پائی جاتی ہے۔ زعم علم اور احساس برتری کسی لائق فرد پر اجتماع سے مانع ہوتی ہے۔ ہماری لامرکزیت اور انتشار وتفریق کا عالم یہ ہے کہ آج تک دارالقضا کا نظام ہمارے یہاں جاری نہ ہو سکا۔ پھر کون کس کو عامل مقرر کرے گا؟ اگر غیر اہل کسی کو عامل مقرر کر دے تو وہ عامل نہ ہوگا، نہ اسے زکوٰۃ وصدقات لینے کی اجازت ہوگی۔ اگر قضاۃ کے تقرر سے پہلے عامل مقرر کرنے کی اجازت دے دی گئی تو کوئی بعید نہیں کہ کچھ ایسے لوگ بھی یہ کام شروع فرما دیں جو شرعاً اس کے اہل نہ ہوں۔ پھر تو بہت سے نام کے عامل شرعاً عامل نہ ہوں گے اور نہ ہی انہیں حق المحنت دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اور اس طرح مفسدہ کا ایک بڑا دروازہ کھل جائے گا جو شاید آسانی سے بند نہ ہو سکے۔

<u>دوسری دشواری یہ</u> پیش آئے گی کہ عامل کو حق المحنت بقدر کفایت ہی دینے کی اجازت ہے، اور ظاہر ہے کہ کمیشن کی سی لامحدود منفعت اس میں نہیں ہوتی، اس کے باعث وصولی بہت محدود

ہو کر رہ جائے گی۔ الغرض زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کے لئے عامل کا طریقہ اختیار کرنا شرعی نقطۂ نظر سے زیادہ مناسب ہے، لیکن اس کا نفاذ دشوار ہے اور نفاذ ہو بھی جائے تو اس سے مدارس کا بھلا بہت مستبعد ہے، اس لئے میری نگاہ میں مناسب اور محتاط طریقہ یہ ہے کہ سفرا سے معاہدہ کے وقت یہ کہہ دیا جائے کہ اجرت وصولی کی رقم سے نہ دیں گے، اسی میں سلامتی اور مدارس کی خیر ہے۔''

(مقالہ مفتی نظام الدین مصباحی، ص ۸، ۹، ملخصًا)

جوابات سوال (۵)

پانچواں اور آخری سوال یہ تھا: ''اور بہر حال اجیر یا عامل اپنی وصول کردہ زکوٰۃ یا عطیہ سے کچھ رقوم اپنے طور پر خرچ کر لے تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگی؟ اور بہر حال اجیر یا عامل کے لئے کیا حکم ہے؟''

اس سوال کے جواب میں بھی مقالہ نگار حضرات کی مختلف رائیں ہیں جو کچھ اس طرح ہیں:

پہلی رائے:

یہ ہے کہ اجیر یا عامل اگر اپنی وصول کردہ زکوٰۃ کی رقم اپنے طور پر خرچ کر ڈالے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور وہ خیانت کے جرم کا مرتکب قرار پائے گا اور اس پر تاوان دینا لازم ہوگا۔ یہ مؤقف درج ذیل علمائے کرام کا ہے۔ (۱) قاضی فضل احمد مصباحی (۲) مولانا محمد عارف اللہ مصباحی (۳) مولانا شیر محمد مصباحی (۴) مولانا نصر اللہ رضوی (۵) مولانا آل مصطفی مصباحی۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اجیر و عامل کی حیثیت زکوٰۃ دہندہ کے وکیل کی ہے اور وکیل زکوٰۃ کا روپیہ خود خرچ کر ڈالے اور بعد میں دے بھی دے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

دوسری رائے:

یہ ہے کہ اگر عامل اپنی وصول کردہ زکوٰۃ وصدقات کی کچھ رقم اپنے طور پر خرچ کر لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کہ وہ مصارف زکوٰۃ سے ہے اور اس نے جو کچھ لیا ہے، اپنا حق لیا ہے اور اجیر و سفیر اگر زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے اپنے طور پر کچھ رقم اپنے مصرف میں خرچ کر لے تو وہ شرعاً غاصب قرار پائے گا۔ کہ یہ اس کی طرف سے امانت میں خیانت ہے جو حرام وگناہ ہے۔ اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ دہندہ کو اتنی رقم واپس کرے، پھر وہ مدرسے کو دے تو لائے یا اس سے کہے کہ آپ کی رقم مجھ

سے صرف ہوگئی، آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے پاس سے اتنی رقم آپ کی طرف سے مدرسے میں جمع کردوں۔ وہ اجازت دے تو ٹھیک، ورنہ اس کی رقم اسے واپس کر دے۔ اور اگر اس نے دوبارہ زکوٰۃ دہندہ سے اجازت نہ لی، نہ اسے دے کر واپس لیا، بلکہ اپنے پاس سے مدرسے میں جمع کردیا، یا اپنی اجرت یا کمیشن میں مجرا کرلیا تو حق اللہ اور حق العبد دونوں میں گرفتار رہے گا۔

تیسری رائے:

عامل تو اپنے طور پر بھی بہ قدر ضرورت خرچ کرسکتا ہے، اجیر اگر غنی ہو تو ایسا نہیں کرسکتا، ہاں وہ اجیر اگر مسافر ہے اور اس کے پاس زادِ راہ نہیں تو اس سے اسے بھی خرچ کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ بہرحال زکوٰۃ وصدقات کو دینے والے یہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ان سے یہ رقم غریب طلبہ پر خرچ کے وعدہ یا حیلۂ شرعی کے بعد مدارسِ دینیہ کی ضروریات میں صرف کرنے کے وعدے پر لئے جاتے ہیں، اس لئے زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ ہاں اس کو صحیح مصرف میں نہ لگانے کا وبال وگناہ وعدہ نبھانے والے پر ہے۔ یہ رائے قاضی فضل رسول مصباحی کی ہے۔

ان کے علاوہ درج ذیل حضرات کے مقالات میں اپنے طور پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کو خیانت اور گناہ قرار دیا گیا ہے، مگر یہ صراحت نہیں کی گئی کہ زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں۔ (۱) مولانا صاحب علی صاحب (۲) مفتی ابرار احمد امجدی (۳) مفتی عبدالسلام رضوی (۴) مولانا نذر محمد قادری۔

بقیہ مقالات میں اس سوال کا کوئی جواب ہی نہیں دیا گیا ہے۔

تنقیح طلب امور

مقالات کے اس جائزے کے بعد درج ذیل امور تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ کمیشن پر چندے کا معاملہ عقدِ اجارہ ہے یا عمالہ یا کچھ اور؟ اور سفرا کی شرعی حیثیت اجیر کی ہے یا عامل کی یا کچھ اور؟

۲۔ چندے کے کمیشن میں "قفیز طحان" والی خرابی موجود ہے یا نہیں؟

۳۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا عصر حاضر کے تمام مدارس میں ایسی ضرورت شرعیہ متحقق ہو چکی ہے، جس کی بناء پر چندے کے کمیشن میں "قفیز طحان" والی صورت مباح ہو جائے، یا بعض

مدارس میں یہ ضرورت متحقق ہے اور بعض میں نہیں؟ اس کے علاوہ یہ بھی تنقیح طلب ہے کہ کیا ضرورتِ شرعیہ کے علاوہ اسبابِ ستہ میں سے کوئی اور سبب پایا جا رہا ہے، جس کی بنیاد پر جواز کی راہ ہموار ہوتی نظر آتی ہے؟

۴۔ اگر بوقتِ معاہدہ یہ صراحت کر دی جائے کہ اجرت وصول کی ہوئی رقم سے نہ دیں گے تو شرعاً اس کا حکم کیا ہے، اگرچہ بعد میں اجرت اسی عطیہ کی رقم سے یا بعد حیلۂ شرعیہ صدقات واجبہ کی رقم سے یا دوسرے کی وصول کردہ رقم سے یا ان کے سوا اور رقم سے دی جائے؟ آیا جواز کے لئے یہ صراحت کرنا بہتر ہے، یا ضروری ہے یا کچھ بھی نہیں؟

۵۔ اگر قاضی شریعت یا اعلم علمائے بلد دیانت دار محصلین کو بحیثیت عامل مقرر کر دے تو وہ ''عاملِ شرعی'' ہوں گے یا نہیں؟

۶۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا کمیشن کو مباح مان کر اسی کو جاری رکھنا زیادہ مناسب ہے یا عامل کا تقرر کر کے اصل منصوص طریقہ کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے؟

۷۔ اور بہرحال اجیر یا عامل اپنی وصول کردہ زکوۃ یا عطیات کی رقوم سے اپنے طور پر کچھ خرچ کر لے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اور بہرحال اجیر یا عامل کے لئے کیا حکم ہے؟

جناب سید محمد فاروق القادری

کی فکر انگیز کتاب

اصل مسئلہ معاشی ہے

شائع ہوگئی

ناشر: ادارہ پاکستان شناسی لاہور

ڈسٹری بیوٹر: اورینٹل پبلی کیشنز، تجمل ٹاور، دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

☆ الغرم بالغنم ☆ خسارہ نفع کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا ہے ☆